بیان کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے کاموں کو عورت کے سپرد کر دیں گے"۔ مقالہ نگار اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: اس حدیث کا متن قرآن مجید کے اس واقعہ کے خلاف ہے جس میں ملکہ سبا کا ذکر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ عورت اعلیٰ درجے کی حکمران تھی اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ملک بڑا خوشحال تھا۔ (سورۃ النمل - ۲۳)

شہاب صاحب نے یہاں قرآن کی من مانی ترجمانی کی ہے۔ قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا گیا کہ ملکہ سبا اعلیٰ درجے کی حکمران تھی اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ملک بڑا خوشحال تھا۔ قرآن مجید میں ہُدہُد کا فقط یہ قول نقل ہوا ہے کہ "میں نے قوم سبا پر ایک عورت کو حکمران پایا۔ اس عورت کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا ایک عظیم تخت ہے۔ میں نے اس عورت کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ اور اس کی قوم سورج کے سامنے سجدہ کرتی ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے۔ اور سیدھی راہ سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے" کیا مجرد یہ شان و شوکت اور سورج پرستی اعلیٰ درجے کی حکمرانی و عقلمندی ہے جس کا ثبوت قرآن مجید سے فراہم کیا جا رہا ہے؟ کیا اعلیٰ درجے کے حکمران وہی ہوتے ہیں جن کے اعمال کو شیطان مزین بنا دے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک طرف بخاری شریف کی حدیث صحیح تو شہاب صاحب خلافِ قرآن قرار دے کر رد کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف تفسیری حوالوں سے یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ "اس عورت نے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی جس کے ارکان کی تعداد تین سو بارہ[۳۱۲] تھی۔ لیکن قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اراکین سے زیادہ لائق اور ذہین تھی"۔ گویا کہ یہ ساری خارج از حدیث اور غیر ثابت شدہ باتیں خلافِ قرآن نہیں بلکہ بیانِ قرآن ہیں، مگر حدیث بخاری وضعی اور خلافِ قرآن ہے! دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست؟

قرآن دانی و قرآن فہمی کے اس مظاہرے کے بعد پروفیسر صاحب حدیثِ مذکور پر طبع آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حدیث کا متن ہی نہ صرف قرآن مجید کے خلاف ہے بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک اس

حدیث کے چاروں راوی غیر ثقہ تھے۔"

رفیع اللہ صاحب نے راویوں کے بارے میں جو گل نشانی کی ہے اس کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے انہیں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بخاری شریف کو پوری اُمت نے قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب کے متن میں پوری سند کے ساتھ جس حدیث کی تخریج فرما دیتے ہیں، اُس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا اور جس راوی کا نام بخاری کی اسناد میں شامل ہو جاتا ہے، اس کے متعلق محدثین کا قول مشہور ہے کہ قد جاز القنطرہ (اس راوی نے پل پار کر لیا)، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے جس راوی کو اپنی سند میں شامل کر لیا ہے، اس کے بارے میں کوئی جرح قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اور اس کی ثقاہت مسلّم ہوگی۔ امام بخاری اس حدیث کو صرف کتاب الفتن میں نہیں لائے بلکہ اس سے پہلے کتاب المغازی میں بھی وہ اس حدیث کو اسی سند و متن کے ساتھ لا چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ کسریٰ)

بخاری شریف میں جو احادیث پوری سند کے ساتھ مروی ہیں، ان کی صحت کے بارے میں پوری اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔ امام بخاری نے خود فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں انہی احادیث کی تخریج کی ہے، جو ہر لحاظ سے صحیح ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اس کتاب کو اپنے زمانے کے نامور ترین محدثین مثلاً امام علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا، اور سب نے اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی۔ امام ابن خزیمہ نے فرمایا ہے کہ اس آسمان کے نیچے حدیثِ رسول کا کوئی عالم و ناقد امام بخاری سے بڑھ کر نہیں پایا گیا اسی مفہوم کا قول امام ترمذی سے بھی مروی ہے۔ امام مسلم نے امام بخاری کو سید المحدثین کہہ کر خطاب کیا اور ان کے قدم چومنے چاہے۔

پھر یہ حدیثِ صحیح دوسری کتب حدیث میں بھی موجود ہے، اگرچہ اس کا صرف بخاری میں آجانا اس کی صحت کے لیے کافی تھا۔

سنن ترمذی، کتاب الفتن میں یہ اس سند کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا محمد بن المثنیٰ حدثنا خالد بن الحارث - حدثنا حمید الطویل

عن الحسن عن ابی بکرۃ قال عصمنی اللہ بشیءٍ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ھلک کسریٰ قال من استخلفوا قالوا بنتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لن یفلح قومٌ ولوا امرھم امراۃً (بیان کیا ہم سے محمد بن المثنیٰ نے، ان سے بیان کیا خالد بن حارث نے، ان سے بیان کیا حمید الطویل نے، ان سے بیان کیا حسن بصری نے، ان سے بیان کیا حضرت ابو بکرہؓ نے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے بچا لیا اللہ تعالیٰ نے ایک بات کے ذریعے سے جو میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی کہ جب فارس کا بادشاہ کسریٰ ہلاک ہوا تو آنحضورؐ نے پوچھا کہ اس کا جانشین کسے بنایا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اس کی بیٹی کو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے ایک عورت کو اپنا حکمران بنا لیا) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن صحیح (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

سنن نسائی، کتاب آداب القضاء میں بھی یہ حدیث بعینہٖ اسی سند اور اسی متن کے ساتھ مروی ہے جس طرح سنن ترمذی میں ہے اور جسے ابھی نقل کیا جا چکا ہے۔ امام عبدالرحمٰن النسائی نے اس حدیث کا عنوان دیا ہے: النہی عن استعمال النساء فی الحکم (حکمرانی میں عورتوں کے تقرر کی ممانعت) اور اس باب کے تحت محمد بن المثنیٰ نے خالد بن حارث سے، انہوں نے حُمید سے، انہوں نے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت ابو بکرہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی حدیث نقل کی ہے کہ کسریٰ کے مرنے پر جب اس کی بیٹی کو جانشین بنایا گیا تو آنحضورؐ نے فرمایا: لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃً۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سنن ترمذی و سنن نسائی کے ابتداء میں تین راوی صحیح بخاری کی سند سے مختلف ہیں مگر ان میں سے ہر ایک ثقہ ہے جس طرح کہ بخاری کے راوی ثقہ ہیں۔ آخر کے دو راوی حضرت حسن اور حضرت ابو بکرہ ان تینوں احادیث میں مشترک ہیں۔ بحث کو ضروری حد تک مختصر رکھنے کے لئے میں پہلے ان دو اصحاب پر شہاب صاحب کی تنقید نقل کرتا ہوں، پھر اس کا جواب دوں گا۔ حضرت حسن کے

بارے میں شہاب صاحب لکھتے ہیں :

" اس نام کے ۱۵۹ راوی تھے جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی ۔(میزان الاعتدال صفحہ ۴۸۰ تا ۵۲۸) اس روایت میں جان بوجھ کر راوی کے والد کا نام نہیں دیا گیا جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ ایک مجہول راوی تھا (میزان الاعتدال ص۵۰۶")

شہاب صاحب کی عقلمندی و دانشمندی یہاں لائق ملاحظہ ہے ۔ سند میں ایک راوی کا نام حسن دیکھ کر انہوں نے نقدِ رجال کی کتاب " میزان الاعتدال " کھول لی اور اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے جہاں حسن کا نام شروع ہوتا تھا وہاں سے اس نام کے راویوں کی تعداد گننے لگے ۔ معلوم ہوا کہ اس نام کے راوی ۱۵۹ تھے ۔ جن کی اکثریت شہاب صاحب کو غیر ثقہ نظر آئی ۔ شہاب صاحب نے صحیح گنتی نہیں بتائی کہ کتنے حسن نامی راوی ثقہ اور کتنے غیر ثقہ تھے ۔ بہر کیف پھر وہ لکھتے ہیں کہ " اس روایت میں جان بوجھ کر راوی کے والد کا نام نہیں دیا گیا جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے "

شہاب صاحب کی یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے وہ اگر ان کتب حدیث کی شروح میں سے کسی مستند شرح کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ راوی امام حسن بصری ہیں جو مشہور و معروف تابعی ہیں ۔ متعدد صحابہ کرام سے حدیث روایت کرتے ہیں ۔ ان کے والد کا نام یسار ہے ۔ یہی کتاب " میزان الاعتدال " جس میں حسن نام کے ایک سو انسٹھ راویوں کے حالات شہاب صاحب نے پڑھے ہیں اس میں صفحہ ۵۲۷ پر الحسن بن یسار کا نام درج کر کے امام ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

سید التابعین فی زمانہ بالبصرۃ کان ثقۃ فی نفسہ حجۃ رأساً فی العلم والعمل ۔

(حضرت حسن بصری اپنے زمانے میں تابعین بصرہ کے سردار تھے ۔ اپنی جگہ ثقہ، مستند اور علم و عمل میں سرخیل تھے)

اتنے بڑے عظیم الشان جلیل القدر امام کے بارے میں رفیع اللہ صاحب کبھی کہتے ہیں

کہ روایت میں ان کے والد کا نام جان بوجھ کر حذف کیا گیا ہے کیونکہ وہ غیر ثقہ تھے کبھی لیتے ہیں کہ وہ بصرہ کے رہنے والے تھے جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ ایک مجہول راوی تھا اور اس بچگانہ قول کے لئے "میزان الاعتدال" جلد اول ص ٥٠٦ کا حوالہ دیتے ہیں جس میں ایک دوسرے راوی الحسن بن علی الہذلی بصری کے بارے میں امام ذہبی نے "مجہول" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت حسن بصری کو مجہول تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جو خود جاہل مجہول ہو۔ امام ولی الدین خطیب، صاحب مشکوٰۃ اپنی تصنیف "الاکمال فی اسماء الرجال" میں فرماتے ہیں:

الحسن البصری روی عن الصحابہ مثل ابی موسیٰ و انس بن مالک و ابن عباس وغیرھم وعنہ خلق کثیر من التابعین وتابعھم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادتہ

(حسن بصری نے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرام سے روایت حدیث کی ہے اور امام حسن سے تابعین اور تبع تابعین کی کثیر تعداد نے حدیث روایت کی ہے۔ حسن بصریؒ اپنے وقت میں جملہ علوم و فنون، زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں اپنے وقت کے امام تھے)

حضرت حسن بصری کے بعد حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں رفیع اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"آپ اگرچہ صحابی تھے لیکن آپ کو حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی اور ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے۔"

شہاب صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اُمّتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ ان کے بعض افعال اگرچہ محلِ نظر یا موجب گرفت ہو سکتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے میں عدول اور راستباز ہیں اور حاشا وکلّا کسی صحابیٔ رسول کے بارے میں تصور یا شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب کر کے کوئی غلط خلاف واقعہ بات بیان کریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ کتبِ رجال میں اوّلاً تو صحابہ کرام کا ذکر نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو خدانخواستہ ان حضرات کی جرح و تعدیل پر بحث کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ کسی شخصیت کے صحابی یا

تابعی ہونے کے اشتباہ و اختلاف کو رفع کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً "لسان المیزان" جس کے حوالے شہاب صاحب دے رہے ہیں۔ اس کی جلد اوّل کے مقدمے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

ما کان فی کتاب البخاری من الصحابة فانی اسقطهم لجلالة الصحابة ولا اذکرهم فی هذا المصنف۔

(بخاری شریف اور دوسری کتابوں میں جن صحابہ کرام کا سند میں نام آتا ہے، میں نے ان کے اسمائے گرامی کو حذف کر دیا ہے اور یہ ان کی جلالتِ قدر کے باعث ہے)۔

اسی طرح "تہذیب التہذیب" میں بعض صحابہ کرام کے درج ہونے کی وجہ مصنف نے پہلی جلد میں پر خطبۂ کتاب میں واضح کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض صحابی کسی دوسرے صحابی سے بھی روایت حدیث کرتے ہیں اور ناواقف حضرات ان دونوں صحابیوں میں سے ایک کو تابعی سمجھ لیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے بعض صحابہ کرام، مثلاً حضرت ابوبکرہؓ کا نام رجال کی کتابوں میں درج کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حضرت ابوبکرہؓ بالاتفاق صحابیٔ رسولؐ ہیں اور ان کا اصل نام نُفَیع ہے جن کا صحیح تلفظ بھی شہاب صاحب اور طاہرہ مریم صاحبہ کو معلوم نہیں۔ انگریزی میں انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ کا نام پہلے نَفَع (NAFA) لکھا ہے۔ پھر آگے چل کر نُقَیح (NAQIH) لکھ دیا ہے۔ کتنی بڑی جسارت ہے کہ جو لوگ صحابہ کرام کا صحیح نام تک ادا نہیں کر سکتے، وہ صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں اور ان کی احادیث کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو تیس سے زائد صحیح احادیث روایت کی ہیں جو مسندِ احمد اور دیگر کتب صحاح میں مروی ہیں۔ علامہ ابن اثیر ان کے اسم گرامی نفیع کے تحت فرماتے ہیں: ابوبکرہ: کان من فضلاء الصحابة وصالحیهم (حضرت ابوبکرہؓ صحابہ کرام کے فاضل و صالح امی ... یں سے تھے) (اسد الغابہ۔ جلد ۵)۔ پھر اسی جلد میں آگے ابوبکرہ کے تحت لکھتے ہیں: اسمه نفیع بن الحارث کان من فضلاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وصالحیهم (ابوبکرہ کا نام نُفیع بن حارث ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فاضل و صالح صحابہ میں سے تھے)۔ اتنے عظیم اور جلیل القدر صحابی کی روایت کردہ حدیث کو جھٹلانے کے لیے رفیع اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر

حضرت ابوبکرہؓ کو کوڑوں کی سزا دی تھی۔ حقیقت جو کچھ ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے الزامِ زنا کا ایک مقدمہ پیش ہوا تھا جس میں چار مرد گواہوں کی عینی شہادت لازم تھی۔ تین گواہ جن میں ایک حضرت ابوبکرہؓ بھی تھے، انہوں نے عین فعلِ زنا کی چشم دید شہادت دی، مگر چوتھے گواہ نے شہادت ایسے واضح اور قطعی طریق پر نہ دی جس سے فعلِ زنا کا ثبوت مل سکے۔ چار گواہوں کا شہادت کا نصاب چونکہ پورا نہ ہوسکا، اس لیے حضرت عمرؓ نے پہلے تین گواہوں کو کوڑوں کی سزا دی، جن میں ایک حضرت ابوبکرہ بھی تھے۔ شہاب صاحب نے محض اس ایک واقعہ کو مختلف جرائم کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ صحابہ کرام سے بلاشبہ بتقاضائے بشریت بعض قابلِ مواخذہ افعال کا صدور ہوا ہے اور ان پر حدود و تعزیر کا اجرا بھی ہوا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا کہ کسی صحابی سے روایتِ حدیث میں غلط بیانی صادر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اسد الغابہ میں کوڑوں کی حد حضرت ابوبکرہؓ پر جاری ہونے کا پورا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ اور اس کے بعد دوبارہ حضرت حسن بصری کا قول منقول ہے:

لم ینزل البصرۃ من الصحابۃ افضل من عمران بن حصین وابی بکرہ

(صحابہ کرام جو بصرہ میں آکر نزیل و مکین ہوئے ان میں حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ سے کوئی افضل نہ تھا۔)

حضرت ابوبکرہؓ کی جو حدیث یہاں زیرِ بحث ہے، یہ مذکورہ بالا کتبِ حدیث کے علاوہ مسندِ احمد میں بھی متعدد دیگر اسناد سے مروی ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حدثنا یحییٰ عن عُیینہ حدثنی ابی عن ابی بکرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ۔

(مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۳۸)

(یحییٰ بن سعید عُیینہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ حضرت ابوبکرہؓ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کر دے)

۲۔ حدثنا اسود بن عامر حدثنا حماد بن سلمۃ عن حمید عن الحسن عن ابی بکرۃ ان رجلاً من اھل فارس اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ربی تبارک وتعالیٰ قد قتل ربک یعنی کسریٰ

قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ استخلف ابنتہ فقال: لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۔۔)

(اسود بن عامر حماد بن سلمہ سے، وہ حُمید سے۔ وہ حضرت حسن بصری سے، وہ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہلِ فارس میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: میرے رب تبارک و تعالیٰ نے تمہارے رب یعنی کسریٰ کو ہلاک کر دیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کسریٰ کی بیٹی کو اس کا جانشین بنایا گیا ہے، آنحضورؐ نے فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس پر ایک عورت حکمران ہو۔

۳۔ حدثنا یزید بن ہارون حدثنا مبارک بن فضالہ عن الحسن عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ۔

(یزید بن ہارون مبارک بن فضالہ سے، وہ حضرت حسن بصری سے وہ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس پر ایک عورت حکمران ہو)۔ (مسند احمد، جلد ۵، ص ۴۷)

۴۔ حدثنا احمد بن عبد الملک الحرانی حدثنا بکار بن عبد العزیز ابن ابی بکرۃ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرۃ انہ شھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشر بظفر جند لہ۔ ثمّ انشأ یسأل البشیر فاخبرہ انہ ولی امرھم امرأۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الآن ھلکت الرجال اذا اطاعت النساء ثلاثاً (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۵)

(احمد بن عبد الملک الحرانی، بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرہ سے، وہ اپنے والد عبد العزیز سے وہ اپنے والد ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک خوشخبری دینے والا آیا اور اس نے دشمن سے لشکر کی فتح یابی کی خوشخبری سنائی، پھر یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں (فارس والوں) نے عورت کو حکمران بنا دیا ہے، آنحضورؐ نے فرمایا: تب مرد ہلاکت میں مبتلا ہو گئے، جب انہوں نے عورتوں کی اطاعت و محکومی قبول کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنا یہ ارشاد دہرایا)۔

درج بالا بحث سے یہ امر ثابت اور واضح ہو گیا کہ عورت کی سربراہی کی ممانعت و مذمت میں ایک یا دو حدیث نہیں بلکہ متعدد اسناد سے احادیث صحیحہ مختلف صحاح میں مروی ہیں جن میں شک و شبہ یا ضعف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، ان کی صحت پوری طرح ثابت ہے اور ان کا متن اور مضمون نصوص قرآنیہ اور دیگر احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید (سورۂ نور ۔ ۳۱) میں فرمایا گیا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ..... "مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔۔۔۔ یہ صریح حکم ربانی ہے جس کی اطاعت ہر مومن عورت پر فرض ہے۔ جو عورت اپنے گھر میں سکون و وقار سے بیٹھتی ہے اور کسی ناگزیر ضرورت ہی کے تحت باہر نکلتی ہے وہ تو نگاہ کو نیچا رکھتے ہوئے ضروری مشاغل سے فارغ ہو کر واپس آسکتی ہے، لیکن جو عورت ایوان حکومت تک جا پہنچتی ہے اس کی نگاہیں نیچی کیسے رہ سکتی ہیں؟۔ اس کی چشم و ابرو تو ہر لحظہ، ہر لمحہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کی نظروں سے دوچار ہوں گی۔ رات دن حکمران عورت اجتماعات میں شریک ہوگی۔ تقریبات، اجلاس میں کرسی صدارت پر بیٹھے گی، خلوت و جلوت میں مشغول گفتگو ہوگی، نہ صرف حدود مملکت کے گوشے گوشے تک عوام و خواص سے رُودررُو خطابات و ملاقات کا اہتمام کرے گی۔ بلکہ بیرونی غیر ملکی دوروں پر جا کر اغیار و اجانب سے بھی بات چیت میں حصہ لے گی اور معاملات طے کرے گی۔ اس صورت میں بلاشبہ قرآنی احکام کی کھلم کھلا اور پے در پے خلاف ورزی ہوگی اور اس کا گناہ اور وبال جس طرح عورت کے سر ہوگا، اسی طرح ان پر بھی ہوگا جنہوں نے عورت کو اس مقام تک پہنچایا ہے اور جو اس صورت حال کو حق بجانب قرار دینے کی جرأت کر رہے ہیں!

کتاب و سنت کی تعلیمات سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کا دائرۂ کار اس کا گھر ہے جہاں وہ امور خانگی و افراد خانہ کی نگرانی کرے گی، مرد گھر کا قوام ہوگا اور گھر سے باہر خارجی معاملات کا نگران و ذمہ دار ہوگا۔ جو معاشرہ فطرتِ اسلام کی اس ترتیب کو بدلے گا یا الٹائے گا وہ یقیناً ناکامی و رسوائی سے دوچار ہوگا فلاح سے ہمکنار نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں صحیح سند کے ساتھ وارد ہے کہ "خبردار تم میں سے ہر شخص چرواہا اور نگہبان ہے اور اپنے گلے کے بارے میں مسئول ہے، امام اپنی

رعیت کے بارے میں مسئول ہے۔ گھر والا اپنے گھر کے افراد کا ذمہ دار ہے۔ پھر فرمایا: والمراۃ راعیۃ علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم (اور عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کے معاملے میں جوابدہ ہے اور اس سے اس بارے میں سوال ہوگا)۔ اب جو عورت امور خانہ داری سے تجاوز کر کے امورِ سلطنت میں دخیل ہوتی ہے، حتیٰ کہ حکومت کی سربراہی کے لیئے خواہاں و کوشاں ہوتی ہے، مسندِ حکومت پر براجمان ہوتی ہے، وہ فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔

حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث میں چونکہ حضرت عائشہؓ اور جنگِ جمل کا ذکر آگیا ہے، اس لیئے بعض لوگ جن میں شہاب صاحب بھی شامل ہیں، حدیث کے مضمون اور حضرت عائشہؓ کی شرکت جنگ کو باہم ٹکراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لیئے وضع کی گئی ہے ورنہ حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کی عملی مخالفت کیسے متصور ہو سکتی ہے؟۔ یہ بھی خواہ مخواہ کی مغالطہ انگیزی ہے۔ صحیح اور واقعی صورت حال یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ امارت و خلافت یا حکومت کی سربراہی کی طلبگار تھیں یا صحابہ کرام ایسا منصب حضرت عائشہؓ کو تفویض یا سپرد کرنا چاہتے تھے۔ اگر اسلام میں عورت کی سربراہی جائز ہوتی اور کتاب و سنت کی تعلیمات میں اس کی مذمت و ممانعت وارد نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت و صال کے موقع پر سقیفۂ بنی ساعدہ میں جس طرح مرد صحابہ کرام کے اسمائے گرامی خلافت کے لیئے پیش کیئے گئے اور زیرِ بحث آئے تھے۔ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ یا ازواج مطہرات میں کسی دوسری زوجہ محترمہ یا حضرت فاطمہؓ یا کسی دوسری صحابیہ کا نام سامنے آسکتا تھا۔ یا پھر خلفائے راشدین کے انتخاب اور جانشینی کے مواقع پر کسی صحابیہ، تابعیہ کا نام تجویز ہو سکتا تھا۔ ان تمام مواقع پر صنف اناث میں سے کسی خاتون کا نام زیرِ غور نہ آنا اس امر کا قطعی اور وافر ثبوت ہے کہ عورت سربراہ ریاست و حکومت نہیں ہو سکتی اور اس پر اجماع امت ہے۔

جہاں تک جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت و قیادت کا تعلق ہے، اس کی حقیقت مختصراً یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کی بیعت ہوئی تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان سے قاتلین عثمانؓ کا قصاص لینے کا مطالبہ کیا، اس مطالبے کی تائید حضرت عائشہؓ نے بھی کی اور ان اصحاب کے مطالبے پر ان کے ساتھ بصرے سے فوجی امداد لینے روانہ

ہوگئیں۔ حضرت علیؓ بھی اپنی فوج کے ساتھ بصرے پہنچ گئے۔ فریقین میں گفت و شنید کے بجائے دونوں کیمپوں کے بعض فتنہ جو عناصر نے اچانک لڑائی چھیڑ دی۔ اس میں اگرچہ حضرت علیؓ کی فتح ہوئی لیکن دونوں جانب اہلِ اسلام کا خون بہا اور نہایت قیمتی نفوس کا ضیاع ہوا۔ دونوں طرف دس ہزار مسلمان شہید اور ہزار ہا زخمی ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کو عمر بھر اس جنگ میں شریک ہونے کا صدمہ اور افسوس رہا اور جب وہ آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ... (اپنے گھروں میں قرار و وقار کے ساتھ بیٹھی رہو....) پڑھتی تھیں تو آپ کا دوپٹہ اشکوں سے تر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کسی لشکر کی قائد بن کر مکہ معظمہ سے روانہ نہیں ہوئی تھیں لیکن چند صحابہ کرام کے ہمراہ جب آپ بصرے پہنچ گئیں تو قدرتی بات تھی کہ مطالبۂ قصاص کرنے والوں نے زمامِ کار آپ کے سپرد کر دی۔ آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور ہودج (کجاوے) میں پورے ستر و حجاب کے حدود ملحوظ رکھتے ہوئے تشریف فرما تھیں لڑائی ختم ہونے تک آپ اسی حالت میں رہیں اور خاتمہ جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے بھائی حضرت محمدؓ بن ابی بکر اور دیگر قابلِ اعتماد اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے خود بھی محسوس فرما لیا تھا کہ جنگ جمل میں ان کی شمولیت صحیح اور مفید نہ تھی اور جب تک آپ کی زندگی رہی، آپ جنگ صفین اور قتال و جدال کے دوسرے مواقع سے بالکل الگ تھلگ رہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کردہ حدیث نبوی کا تعلق بظاہر اس مسئلے سے نہیں ہے کہ خواتین جہاد و قتال میں حصہ لے سکتی اور قیادت کر سکتی ہیں یا نہیں بلکہ حدیث میں فرمان نبوت یہ ہے کہ عورتوں کی حکمرانی و سربراہی موجب فلاح نہیں ہو سکتی۔ تاہم حضرت ابوبکرہؓ نے اس ارشاد سے یہ جزئیہ بھی مستنبط کیا ہے اور ان کا یہ استنباط بالکل بجا اور صحیح ہے کہ کسی خاتون کا سربراہ حکومت بننا اور بنانا جس طرح مطلوب و پسندیدہ نہیں، اسی طرح قتال میں بھی عملاً ان کی شرکت و قیادت جائز نہیں، اس لیے حضرت ابوبکرہؓ نے جنگ جمل سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ لائے تھے، ان کے بارے میں بھی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں اصحاب کو بلا کر تنہائی میں بات کی تو یہ دونوں بھی اگلی صفوں سے ہٹ گئے حضرت زبیرؓ کو ایک ظالم فتنہ پرداز نے اکیلے پا کر شہید کر دیا۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ بھی شہید کر دیئے گئے۔

عہدِ نبویؐ، خلافت راشدہ اور اس کے بعد بھی پوری امت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کسی عورت کو خلیفہ، امیر، کسی علاقے یا صوبے کا عامل، گورنر یا سفیر یا سپہ سالار بنایا گیا ہو۔ زوال و انحطاط اور دور محکومی کی کوئی مثال اگر ملتی بھی ہے تو وہ ناقابل ذکر و استناد ہے اور اس سے نبیؐ کا بیان فرمودہ یہ حکم ارشاد معاذ اللہ غلط یا باطل نہیں ہو سکتا کہ عورت کی سربراہی کسی قوم کے لئے موجب فلاح نہیں ہے۔ پاکستان کے مسلمان اس نہایت کڑی اور سنگین آزمائش سے دوچار ہیں کہ وہ اپنی غلطی کا احساس اور اس کی اصلاح کرتے ہیں یا اپنی غلطی پہ اصرار کرتے ہوئے اپنی دنیوی و اخروی فلاح کو خیرباد کہتے ہیں۔

میرے مضمون کی اشاعت سے قبل ہفت روزہ "الاعتصام" میں رفیع اللہ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے مضامین کی مفصل تردید آچکی ہے اور "الاعتصام" کی ایک اشاعت خصوصی بھی طبع ہو چکی ہے لیکن ان صاحب کی ضد اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ پاکستان ٹائمز مورخہ ۹ فروری ۸۹ء میں ان کا پھر ایک مضمون "اسلامی ریاست میں عورت کے جج ہونے کی حیثیت" چھپا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ الماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں مسلمان حاکم اور مسلمان قاضی کی جو شرائط وصفات بیان کی ہیں ان میں مرد ہونا کہیں مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ الماوردی کی کتاب کا اردو ترجمہ جو سید محمد ابراہیم نے کیا ہے اور عبدالمالک عرفانی صاحب کا نظرثانی شدہ قانونی کتب خانہ لاہور نے چھاپا ہے۔ اس کے باب ۶ "قاضی کا تقرر" ص ۱۱۷ کی عبارت کا آغاز ہی یوں ہوتا ہے:

"عہدہ قضا پہ اس شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں تاکہ اس کو قاضی بنانا اور اس کا احکام نافذ کرنا صحیح ہو۔ وہ شرطیں سات ہیں۔

پہلی یہ کہ مرد ہو اور اس میں دو صفتیں ملحوظ ہیں، بالغ ہونا اور مذکر ہونا اس لئے کہ نابالغ پہ کوئی حکم واجب نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اپنے قول سے کوئی حکم اپنے اوپہ واجب کر سکتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے پہ حکم کا نفاذ کر سکے اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے اگرچہ بعض احکام ان کے قول سے بھی متعلق ہیں۔ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جن امور میں ان کی شہادت درست ہے قضا بھی درست ہے اور جن میں شہادت درست نہیں قضا بھی درست نہیں۔

ابن جریر اس مسئلہ میں بالکل منفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء جائز ہے مگر اجماع امت اور آیت قرآن کے ہوتے ہوئے ان کا قول ناقابل اعتبار ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی) یعنی عقل و دانائی میں، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں مردوں کی حاکم بنیں۔"

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ شہاب صاحب الماوردی کی جانب جو مؤقف منسوب کر رہے ہیں وہ ایک ناروا اتہام ہے جو امام الماوردی کے سر تھوپا جا رہا ہے۔

اب میں قرآن مجید کے فرمان پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

(کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرما دیں تو پھر مومن مردوں یا عورتوں کے لئے اپنے معاملے میں کوئی اختیار OPTION باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے، بس وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء - ۶۵)

(ہرگز نہیں۔ تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے نبیؐ) تمہیں وہ حکم نہ بنا لیں، ہر اس معاملے میں جو ان کے درمیان باعث نزاع و اختلاف ہو، پھر وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں تمہارے فیصلے پر اور سر بسر اس فیصلے کو تسلیم کر لیں۔

مطبوعات

کتابوں کا ایک پہاڑ میرے سامنے ہے جو تعارفی سطور کے لیے جمع ہیں۔ اگر پورا رسالہ ان کے لیے وقف کر دیتا تو شاید بات بن جاتی۔ مگر اب تو چند صفحے ہیں حق ادا نہیں ہو سکے گا، بس تعارف ہو گا ... بہت سی اہم چیزیں مؤخر رہیں گی۔ ناشرین اور مصنفین معاف کریں۔

DISTRIBUTIVE JUSTICE AND ..... — تالیف و تدوین جناب منور اقبال۔ ناشرین: انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ بہ تعاون اسلامک فاؤنڈیشن، لائسسٹر۔ یوکے (223 LONDON ROAD)۔ اہم موضوع، دلکش بیان، بہترین ترتیب، اعلیٰ کاغذ، نکھری طباعت، دبیز رنگین آرٹ کارڈ ٹائیٹل، ۳۸۴ صفحات۔ قیمت نامعلوم۔

اسلامی فقہ و قانون کے بعد معاشیات دور حاضرہ کا پہلا اہم دائرۂ علم ہے جس میں ہماری صفوں سے تحقیقی کام کا آغاز ہوا ہے۔ پیش نظر کتاب کا موضوع بے حد توجہ طلب ہے، یعنی "معیشت میں دولت کی تقسیم میں انصاف اور تکمیل ضروریات"۔ اس میں ۶ مقالات ہیں، ہر مقالے پر تبصرہ ہے، پھر اس پر بحث ہے۔ ادارتی بورڈ پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، ڈاکٹر عمر حافظ، ڈاکٹر محمد عارف، ڈاکٹر انس زرقا، ڈاکٹر ایم اے منان اور ڈاکٹر منور اقبال پر مشتمل ہے۔ میں نے کتاب پر نظر ڈالتے ہوئے جا بجا نشان لگائے مگر بحث کی گنجائش نہیں، اس کے لیے مقالہ چاہیے۔ ص ۱۳ پر ڈاکٹر زبیر حسن نے "مرلیس" اور "امانۃ" کے تصور پر جو مختصر بات کی ہے وہ مطمئن نہیں کرتی۔ قانون کی باتیں اور ہیں اور شاعرانہ آورد۔ متعلقہ باب میں بتایا گیا ہے کہ دولت کا امانت الٰہی کا تصور اس پر حق ملکیت کے ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ پیچیدہ مسائل ہیں۔ ص ۱۶ پر تقسیمی عدل کے لیے بیان مدہ